چوبیسواں باب

کاروانِ نبی ﷺ کا دورِ تشدّد سے دوچار ہونے پر لائحہ عمل

۱۶۶ سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْن کا زمانہ نزول

۱۶۷ سرداران مکہ نبی ﷺ کی مخالفت کیوں کر رہے تھے؟

۱۷۱ سابقہ انبیا کی یہی دعوت تھی جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں

۱۷۳ کیا دنیاوی خوش حالی کام یابی کی نشانی ہے

۱۷۴ حقیقی فلاح اور دائمی کام یابی کن کے لیے ہے؟

۱۷۵ سردارانِ مکہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارننگ

۱۷۷ اللہ کی رضا کے لیے کیے جانے والے کاموں پر دنیا میں اُجرت لینا

۱۸۱ شرک سے بچنے کی تلقین کے ساتھ سورۃ کا اختتام

چوبیسواں باب

کاروانِ نبی ﷺ کا دورِ تشدّد سے دوچار ہونے پر لائحہ عمل

نبی ﷺ کو نبوت ملے چار سال گزر چکے ہیں پانچواں سال آگے بڑھ رہا ہے، ابھی ظلم کی چکی تیزی کے ساتھ نہیں گھومی ہے، سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنُوۡن نازل ہوتی ہے۔ مودودیؒ اس کے نزول کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ: اندازِ بیان اور مضامین، دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول مکے کا دور متوسط ہے۔ پس منظر میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان سخت کش مکش برپا ہے، لیکن ابھی کفار کے ظلم و ستم نے پورا زور نہیں پکڑا ہے۔

سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنُوۡن کا زمانہ نزول: آیات ۷۵ تا ۷۶ سے صاف طور پر یہ شہادت ملتی ہے کہ یہ مکے کے اس قحط کی شدت کے زمانے میں نازل ہوئی ہے جو معتبر روایات کی رو سے اسی دور متوسط میں برپا ہوا تھا۔ عروہ بن زُبیرؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عمرؓ ایمان لا چکے تھے۔ وہ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کے حوالہ سے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ سورۃ ان کے سامنے نازل ہوئی ہے۔ وہ خود نزول وحی کی کیفیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوتے دیکھ رہے تھے، اور جب حضورؐ اس سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ اگر کوئی ان کے معیار پر پورا اتر جائے تو یقیناً جنت میں جائے گا، پھر آپ نے اس سورے کی ابتدائی آیات سنائیں (احمد، ترمذی، نسائی، حاکم) [بحوالہ تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۲۵۸]

ہم اس سورۃ کی اندرونی شہادت کی بنیاد پر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ یقیناً عمرؓ بن الخطاب کے ایمان لانے سے قبل نازل ہوئی ہو گی کیوں کہ عمرؓ تو خود دورِ ابتلا شروع ہونے کے کئی ماہ بعد ایمان لائے ہیں [۵۵]، یقیناً اس روایت کی کچھ کڑیاں پوری نہیں ہیں جس وجہ سے بادی النظر روایت سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ دورِ ابتلا کے انتہائی زمانے میں اتری ہے جب کہ سورۃ کے مضامین اور اندازِ بیان اس بات کی

۵۵ عمر بن الخطابؓ کے ایمان لانے کے واقعے اور زمانے کے بارے میں گفتگو ان شاءاللہ کتاب کی تیسری جلد میں ہو گی۔

گواہی نہیں دیتے۔ عین ممکن ہے کہ یہ ابتدائی دس آیات عمرؓ بن الخطاب کے ایمان لانے کے بعد نازل ہوئی ہوں اور نبی ﷺ نے ان دس آیات کو پہلے سے نازل شدہ سورۃ کے ابتدائی حصے کے طور پر رقم کروادیا ہو۔ [واللہُ اعلمُ]

سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے والے طالبِ علموں کے لیے یہ سورۃ تاریخی لحاظ سے یوں اہم ہے کہ یہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ اسلام کی دعوت کو جب ایک قابل لحاظ تعداد قبول کر لے تو اُس موقع پر کرنے کے کیا کام ہوتے ہیں اور آگے بڑھنے کی کیا اسٹریٹیجی ہوتی ہے؟ یہ سورۃ ساتھ ہی یہ رہ نُمائی بھی کرتی ہے کہ ایسے ماحول میں مخالفین کے ساتھ کن امور پر گفتگو کرنی چاہیے۔

سرداران مکہ نبی ﷺ کی مخالفت کیوں کر رہے تھے؟

سورۃ اس طرح شروع ہوتی ہے کہ جن لوگوں نے محمد ﷺ کی بات مان لی ہے، ان کے اندر ان اعلیٰ اوصاف کی حامل شخصیات تعمیر ہو رہی ہیں، اور یقیناً ایسے ہی لوگ دنیا و آخرت کی فلاح کے مستحق ہیں۔ یوں یہ سورۃ اتباعِ رسول کی دعوت کی سورۃ بن کر سامنے آتی ہے اور یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں سرداران مکہ توحید اور آخرت پر ایمان لانے سے انکاری تھے، توحید اور آخرت کی حقانیت دلائل و براہین سے بہت واضح ہو چکی تھی، جو بات اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترتی تھی اور نفس جس پر آمادہ نہیں تھا وہ بات یہ تھی کہ اپنی سرداری ایک طرف رکھ کے کس طرح محمد ﷺ کی لیڈرشپ کو بلا چون وچرا قبول کر لیں۔ نفس کی کم زوری یہ ہے کہ وہ برملا اپنی کم زوری کا اظہار نہیں کرتا اور اپنی ہر کوتاہی اور خامی کا الزام کسی اور پر ڈال دیتا ہے، یہ اصل صورتِ حال تھی جس سے قریش کے منکرین سردار دوچار تھے، ظاہر ہے کہ وہ یہ اعلان تو برملا نہیں کر سکتے تھے کہ ہمیں اپنی سرداری بہت عزیز ہے اس لیے ہم محمد ﷺ کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتے، وہ اعلان یہ کرتے تھے کہ قیامت کی بات تو بعید از عقل ہے، آخر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیسے کیے جائیں گے؟ یا پہلو بدل کر کہتے تھے کہ کیا ہمارے باپ دادا بے وقوف تھے جو ہم اُن کا دین چھوڑ کر نیا دین قبول کر لیں[۵۶]۔

---

۵۶ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تمام انبیا کا دین ایک ہی رہا ہے 'اسلام'، اِس کے بنیادی فلسفے میں یہ بات مضمر ہے کہ اطاعت ساری صرف اللہ کی ہو گی۔ اللہ چوں کہ خود زمین پر انسانوں کے درمیان محسوس وجود نہیں رکھتا لہٰذا کون اس کا نمائندہ ہے جو اللہ کی مرضی کے مطابق انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے لوگوں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرے گا؟ ظاہر ہے وہ اس کے رسول ہوں گے۔ رسولوں کے منکر سب سے پہلے وہ بن کر آتے ہیں جو اللہ

انسان عالم فریبی سے زیادہ خود فریبی کا شکار ہوتا ہے، انھوں نے یہ باتیں اس کثرت سے اپنے متبعین کے سامنے دہرائی تھیں کہ خود اُن کے دل و دماغ میں اِن جھوٹی باتوں کی 'صداقت' کا وہم بیٹھ گیا تھا۔
اصل کام یابی تو صرف اُن اہلِ ایمان کی ہے جو........

کے رسول کے لیے سرداری اور مطاع ہونے کی حیثیت کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

نبی ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمان معاشروں میں اسلام کو جب زندگی کے سارے شعبوں میں نافذ کرنے کے لیے پیش کیا گیا تو معاشرے میں حکم ران، تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیڈران، چودھری، چوٹی کے فلسفی، شاعر، ادیب، مصور، جنرل، کرنل، مختلف فرقوں کے قائدین..... وغیرہ وغیرہ سب کے سب پیش کردہ اسلام کے اس لیے مخالف ہو جاتے ہیں کہ وہ اِن سب سے اپنے اپنے شعبوں میں احکام کی تابع داری اور صالح قیادت کی اطاعت چاہتا ہے۔

نبیوں کے بعد اُن کے جانشین جب یہی بات ایک بگڑی ہوئی مسلم قوم کے درمیان چاہتے ہیں تو قوم اُن سے وہی سلوک کرتی ہے جو بنی اسرائیل نبیوں کے ساتھ کرتے تھے۔[كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾] نبیوں کی حد تک یہ بات ٹھیک ہے کہ وہ مامور من اللہ ہونے کے ناتے اللہ کے مستند نمایندے ہوتے ہیں، مگر اپنے دین و ایمان کا تقاضا سمجھ کر ایک بگڑی ہوئی مسلم قوم میں مصلحین کی کیا حیثیت، مقام، اختیارات ہیں؟ کیا ایک مصلح یا اس کے متبعین کا گروہ بھی تجدید اور نفاذِ دین کی خاطر ایک بگڑی ہوئی مسلم سوسائٹی میں اُس کے تمام اداروں پر قابض اسلام کی تعبیر کے مطابق ظالم و بدکار لیڈروں سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ امامت کا منصب اُن کے لیے خالی کر دیں کہ اسلام اللہ کی کامل اطاعت چاہتا ہے اور وہ اللہ کے دین کے علَم بردار ہیں؟

اس سوال کی نوعیت اس وقت اور گھمبیر ہو جاتی ہے جب کسی مسلم ملک یا معاشرے میں ذاتی چپقلشوں یا ناقابلِ حل فقہی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک سے زاید گروہ اپنے اپنے طریقے کے مطابق، اپنے اپنے ذہنی سانچے کے دین کے احیا کے لیے معاشرے کی امامت و اقتدار کے طالب ہوں یہ ایک اہم نظری بھی اور عملی سوال ہے جس کے صحیح جواب کی بنیاد پر ہی موجودہ دور میں دنیا بھر کے مسلم معاشروں میں کوئی احیاے دین کی تحریک کامیاب ہو سکتی ہے۔

سیرت النبی ﷺ کے طالبِ علم کے لیے یہ سوال بہت بنیادی نوعیت کا ہے، وہ سیرت اور قرآن کے مطالعے اور اُن پر غور و فکر سے یہ تو جان سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی مخالفت کیوں ہوئی اور کیوں کر اُس کا مقابلہ کیا گیا اور کیوں کر وہ ہادی و رہنما ﷺ ایک عظیم سیاسی، معاشرتی، معاشی اور عسکری مفکر، اللہ کا پیغمبر اپنی تمام فکر کی عملی صورت گری کر کے اِن تمام شعبوں کا بھی عظیم لیڈر بن گیا۔ سیرت کے طالبِ علم کو مشکل یہ پیش آتی ہے کہ نبی ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کس طرح مخالفتوں کو ختم کر کے شر پسندوں کو مطیع اور فرماں بردار بنا کر اسلام کو ہر شعبہ زندگی میں غالب کر دے، بتوفیقِ الٰہی کتاب مکمل ہونے پر آخری باب 'خاتمہ کلام' میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہو سکے گی، ان شاء اللہ العزیز

۴۷: سُوۡرَةُ الۡمُؤۡمِنُوۡن [۲۳– ۱۸: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ]

سورۃ کی ابتدا اس اعلان کے ساتھ ہوتی ہے کہ اس زندگانی میں اصل کامیابی تو صرف اُن اہلِ ایمان کی ہے جو یہ اور یہ اوصاف رکھتے ہیں، مخالفت کے انتہائی دور میں جن لوگوں نے نبی ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اُن کے سامنے اب کرنے کے کچھ کام ہیں، ایسا نہیں کہ یہ انھیں پہلے معلوم نہ تھے بلکہ وہ نبی ﷺ کی قیادت میں انھی اوصاف کے حامل تھے یہاں ان کا تذکرہ اس لحاظ سے ہے کہ اس کش مکش میں یہ واضح ہو جائے کہ اس کیمپ کے انسان کس ڈھب کے ہیں اور مخالف کیمپ میں اس کے برعکس کیسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ اہلِ ایمان جو موجود ہیں اُن کو بھی واضح الفاظ میں اپنی شخصیت کی تعمیر کا ایک نقشہ مل جائے جو اُن کے لیے بھی اور اُن کے آگے آنے والی نسلوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یقیناً اہلِ ایمان کام یاب ہوئے: اہلِ ایمان جو اپنی نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرنے والے ہیں، فضول اور بے ہودہ کاموں سے اجتناب کرنے، اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنے اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے، کہ اُن کے بارے میں انھیں کوئی ملامت نہیں البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ مزید وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے اور نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ ایسے ہی ایمان والے وارث ہیں، جنھیں میراث میں جنت الفردوس ملے گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ .... [مفہوم آیات ۱-۱۱]

کائنات، انسان، نباتات اور حیوانات کی پیدایش سے آخرت پر گواہی

اگلی آیات میں انسان کی، آسمان و زمین کی، پودوں اور جانوروں کی پیدایش، اور کائنات کی دوسری نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جو زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہیں کہ جس توحید اور آخرت پر ایمان لانے کے لیے محمد ﷺ تم سے کہہ رہے ہیں وہ بالکل صاف اور برحق بات ہے۔

ہم نے انسان کو مٹی کے ست (EXTRACT) سے بنایا، پھر اسے ایک نطفہ کی بوند میں تبدیل کیا اور [رحمِ مادر میں] ایک جگہ محفوظ رکھا جہاں اس بوند کو معمولی کیڑے [جنین] کی شکل دی، پھر جنین کو

گوشت کے ایک لوتھڑے میں تبدیل کیااور پھراس لوتھڑے میں ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اس کو بالکل ہی مختلف مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس اللہ بڑا ہی بابرکت ہے، سب کاری گروں سے اچھا کاری گر۔اے لوگو! جان لو کہ پھرِاس زندگی کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے، پھر تم قیامت کے دن اُٹھائے جاؤ گے!

ہماری کاریگری پر مزید غور کرو تمھارے اُوپر ہم نے سات آسمان بنائے، اس عظیم الشان صنّاعی کے کام سے ہم کوئی ناواقف نہ تھے! اور آسمان سے ہم نے صحیح حساب کے مطابق پانی برسایااور اس کو زمین میں ٹھہرادیا، ہم اُسے واپس بھی لے سکتے ہیں! پھر اس اہتمام کے بعد پانی سے ہم نے تمھارے لیے کھجُوروں اور انگور کے باغ اُگائے، تمھارے لیے باغوں میں بہت سے لذیذ پھل اور میوے ہیں جو تمھاری روزی بھی ہیں۔اور وہ درخت بھی ہم نے اگایا جو طوُرِ سینا میں پایا جاتا ہے، اس کا تیل بھی کام کا ہے اور خود یہ ایک سالن بھی ہے کھانے والوں کے لیے۔(زیتون مراد ہے)

غور و فکر کرو تو یہ حقیقت بھی تمھارے سامنے ہو گی کہ مویشیوں کی پیدایش میں بھی ایک اللہ کی صناعی کی نشانی ہے۔ سوچو ذرا کہ ان کے پیٹوں کے اندر سے ایک چیز ہم تمھیں پلاتے ہیں، اور تمھارے لیے ان میں دوسرے بھی بہت سے فائدے ہیں۔اُن سے تم گوشت بھی کھانے کے لیے حاصل کرتے ہو اِن مویشیوں میں سے اونٹ کو صحرا میں سواری کے لیے اس طرح استعمال کرتے ہو گویا سمندر میں کشتیاں۔.. [مفہوم آیات ۱۲-۲۲]

اس کے بعد کفارِ مکہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعوت پر جو شبہات واعتراضات پیش کر رہے تھے سابقہ انبیا علیہم السلام اور اُن کے مخاطبین کے قصوں کے ذریعے سمجھایا جا رہا ہے کہ تمھارے یہ شبہات و اعتراضات کوئی نئے نہیں پہلے بھی نفس کے بندے بالکل اسی طرح کی باتیں بناتے تھے اور اُس وقت جو جوابات ان کو دیے گئے اُن پر غور کرو، اور انکار کے جرم میں اُن کے انجامِ بد سے سبق لو پھر اپنے لیے ایک راہ منتخب کر لو۔ توحید و آخرت کے متعلق جو تعلیم محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دے رہے ہیں یہی تعلیم سابقہ تمام انبیا نے بھی دی تھی، تمھاری سمجھ میں بات کیوں نہیں آتی؟

سابقہ انبیا کی یہی دعوت تھی جو محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں

ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف نبی بنایا۔ اُس نے کہا، اے میری قوم، اللہ کی فرماں برداری اختیار کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، کیا تم اپنے رب کی پکڑ سے ڈرتے نہیں ہو؟ نوحؑ کی قوم کے سرداروں نے جنھوں نے بات ماننے سے انکار کر دیا تھا بولے کہ اس شخص کی حیثیت کیا ہے، بس ہم جیسا ایک انسان! دراصل اس دعویٰ نبوت کے پردے میں یہ چاہتا ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے۔ اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا۔ یہ بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا کے وقتوں میں سُنی ہی نہیں کہ انسان رسُول بن کر آئے [۵۷]۔ ہو نہ ہو اس شخص کو ذرا پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔ کچھ وقت اور انتظار کر لو شاید دماغ ٹھیک ہو جائے۔............... [مفہوم آیات ۲۳-۲۵]

نوحؑ نے کہا: یاربّی! اِن لوگوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے بس اب تُو ہی میری مدد فرما۔ ہم نے اُس پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی تیار کرو۔ پھر جب ہمارا طے شدہ وقت آجائے اور تنُور اُبلنے لگے، تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کر اس میں سوار ہو جاؤ، اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے لو سوائے منکرینِ حق کے، کہ جن کے خلاف پہلے فیصلہ ہو چکا ہے، اور ظالموں کے لیے مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا، یہ اب غرق ہو کر رہنے والے ہیں۔ پھر جب تُو تمام اہلِ ایمان کے ساتھ کشتی پر سوار ہو جائے تو کہہ، شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے دور کر دیا، اور کہہ کہ اے میرے رب، مجھ کو بابرکت مقام پر اُتار کہ تُو بہترین جائے قرار دینے والا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ﴿۲۹﴾ اِس واقعے میں بڑی عبرت آموزی ہے، اور آزمایش تو ہم کر کے ہی رہتے ہیں۔

ایک زمانے بعد اُن کے درمیان ایک قوم اُٹھائی [۵۸]۔ پھر اُن میں خود ان ہی کی قوم کے ایک فرد کو

---

۵۷ آج بھی یہی گم راہی موجود ہے۔ مشرکین مکہ کو یہ اعتراض تھا کہ کوئی بشر رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بشریت کا خود اپنے ماحول میں مشاہدہ کیا تھا۔ وہ بشر کی رسالت کے منکر تھے۔ آج کل کے کچھ مسلمان کہتے ہیں کہ رسول بشر کیسے ہو سکتا ہے!

۵۸ اغلباً اشارہ ہے عاد اور ثمود کی طرف جیسا کہ سُوْرَةُ الْاَعْرَاف میں قومِ نوح کے جانشین کی حیثیت سے عاد کا اور عاد کے جانشین کی حیثیت سے ثمود کا ذکر ہے۔

رسُول مقرر کیا جس نے انھیں پکارا کہ اللہ کی بندگی کرو،اس کے سوا تمھارے لیے کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟

اُس کی قوم کے سرداروں نے جن کو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں مال و دولت اور عزت سے نوازا تھا، بات ماننے سے انکار کر دیا تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر آخرت میں پیشی کو جھٹلایا تھا، کہنے لگے کہ یہ آدمی تم ہی جیسا ایک انسان ہے کوئی رسول نہیں ہے۔ جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔ اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت قبول کر لی تو تم نقصان ہی میں رہے نا! یہ کیسی اَنہونی بات تمھیں بتاتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جاؤ گے اور ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائے گا اُس وقت تم قبروں سے نکالے جاؤ گے؟ ناقابلِ یقین، بالکل ناقابلِ یقین ہے یہ وعدہ جو تم سے کیا جارہا ہے۔ زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور کچھ نہیں۔ اسی دنیا میں ہم کو مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز دوبارہ زندہ اُٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔ اِنۡ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَ نَحۡیَا وَ مَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِیۡنَ﴿۳۷﴾ یہ شخص تو اللہ کے نام پر سراسر جھوٹ باندھ رہا ہے ہم تو ہرگز اس کی ماننے والے نہیں ہیں۔ رسُول نے کہا: یاربّی! اِن لوگوں نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے بس اب تُو ہی میری مدد فرما۔ ہم نے اُس پر وحی کی کہ قریب ہے وہ وقت جب یہ اپنے کیے پر پچھتائیں گے۔ آخر کار ٹھیک ٹھیک انصاف کے مطابق ایک عظیم حادثے نے ان کو آ پکڑا اور ہم نے ان کو کائنات کی ردّی بنا کر پھینک دیا...... دُور ہو ظالم قوم!

پھر ہم نے اسی طرح اُن کے بعد دُوسری قومیں اُٹھائیں۔ کوئی قوم نہ اپنے مقرر وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس کے بعد ٹھہر سکی۔ پھر ہم نے متواتر رسُول بھیجے۔ جس قوم کے پاس بھی ہمارا فرستادہ آیا، قوموں نے اُسے جھُٹلایا، اور ہم یوں یکے بعد دیگرے قوموں کو ہلاک کرتے رہے یہاں تک کہ ان کو بس تاریخ کی ایک بھولی بسری کہانی بنا کر چھوڑا..... پھِٹکار اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے!

پھر ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی ہارونؑ کو اپنے ناقابلِ انکار معجزوں کے ساتھ فرعون اور اس کی حکومت کے وزیروں اور مشیروں کی طرف بھیجا۔ مگر انھوں نے اپنی طاقت اور حکومت کے غرور سے اُن کی بات کو ٹھکرا دیا۔ بولے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ اور آدمی بھی وہ جو

ہماری غلام قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے دونوں کو جھٹلایا اور یوں اس سے قبل رسولوں کو جھٹلا کر ہلاک ہونے والوں سے جا ملے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب عطا فرمائی تاکہ لوگ اس سے رہ نُمائی حاصل کریں۔

اور مریم علیہا السلام اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے ایک نشان (icon) بنادیا اور ان کو ایک سرسبز وادی میں رکھا جو امن و اطمینان کی جگہ تھی جہاں چشمے بہتے تھے۔ اے پیغمبرو! پاکیزہ چی

زیں کھاؤ اور نیک اعمال پر کاربند رہو، تم جو کچھ بھی کرتے ہو، میں اس سے خُوب باخبر ہوں۔ اور یہ تمھاری اُمّت ایک ہی اُمّت ہے اور میں تمھارا پالن ہار ہوں، لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو۔

اس ایک عالمی امت کے لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین کا صحیح یا غلط فہم ہے اُسی میں وہ مست ہے اور دوسروں کو گم راہ سمجھتا ہے۔ اچھا، تو چھوڑو انھیں، یہ مست رہیں اپنی خام خیالیوں میں ایک وقتِ مقرر تک [59]۔ [مفہوم آیات ۲۶-۵۴]

کیا دنیاوی خوش حالی کام یابی کی نشانی ہے

مکے کے بڑے بڑے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین تھے۔ وہ اور اُن کے نمک خوار زیر اثر لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے اور اس غلط فہمی کو پھیلاتے بھی تھے کہ مال و دولت و عزت و اقتدار بالضرور خدا اور دیوتاؤں کا کرم ہے۔ محرومی و محکومی اور غربت کے مارے محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے ساتھیوں کی حالت تو خود زبانِ حال سے یہ بتارہی ہے کہ خدا ان سے ناراض ہے اور ان پر دیوتاؤں کی مار پڑ رہی ہے (نعوذ باللہ)۔

جبریلِ امین اس سورۃ المومنون میں اللہ کا جو پیغام لے کر آئے ہیں اُس میں انبیا علیہم السلام کے

---

۵۹ مکہ میں وارثینِ ابراہیمؑ کو ایک عرصہ سمجھانے کے بعد اور اُن کے سرداروں کی جانب سے شدید مخالفت کے پسِ منظر میں، نوح، موسیٰ، عاد، ثمود اور عیسیٰ ابن مریمؑ کے اجمالی تذکروں کے بعد یہ تبصرہ بڑا معنی خیز جملے پر ختم ہوتا ہے کہ مست رہیں ایک وقتِ مقرر تک، یہ وقت ہے یا تو قیامت کا جہاں سارے فیصلے ہوں گے یا مزید چند برسوں کی مدت کے لیے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر اس امتِ مرحوم کا احیا کرنے والے ہیں، جس کی شکست وریخت کا یہاں شکوہ ہے۔ اے کاش پھر یہ عالمی امت مسلمہ زمین پر غالب و فرماں روا نظر آئے۔

اوپر بیان کردہ قصوں کے بعد مخاطبین کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو کفار کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کا جواب دیا جارہا ہے، یہ بتایا جارہا ہے کہ دنیوی خوش حالی، مال و دولت، آل اولاد، حشم و خدم قوت و اقتدار وہ چیزیں نہیں ہیں جو کسی شخص یا گروہ کے راہ راست پر ہونے یا اللہ کی قربت کی نشانی ہوں۔ اسی طرح غربت اور خستہ حالی اللہ کی ناراضگی کا ثبوت نہیں، اللہ کی ناراضگی اُس کی ہدایت سے منہ موڑنے اور اس کی رضا ایمان کی راہ پر چلنے میں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے میں ہے۔

حقیقی فلاح اور دائمی کام یابی کن کے لیے ہے؟

کیا یہ آسودہ و خوش حال منکرین سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو انھیں مال اولاد سے نوازا ہے اور نوازے جارہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اِن سے راضی اور ان کی بھلائی کے لیے سر گرم ہیں؟ نہیں، حقیقت کا انھیں شعور نہیں ہے۔ حقیقی فلاح اور دائمی کام یابی کی طرف دوڑنے والے اور مقابلہ کر کے اسے پالینے والے تو وہ لوگ ہیں جو[٦٠]:

اپنے مالک و پالن ہار کے خوف سے ترساں [منکرات سے بچتے] رہتے ہیں،

جو اپنے رب کی آیات پر [اس قرآن پر] ایمان لاتے ہیں،

جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو صفات و حقوقِ الوہیت میں شریک نہیں کرتے، اور

جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جو بھی خدمت بجالاتے ہیں خواہ کچھ بھی ہو[٦١]، کم یا زیادہ مگر یہ کہ اس بندگی میں اُن کی حالت، اندرونی قلبی و ذہنی کیفیت کی غماز ہوتی ہے کہ وہ سر تاپا کانپ رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔........................ [مفہوم آیات ۵۵-٦١]

حقیقی فلاح اور دائمی کام یابی کی اوپر بیان کردہ چار شرائط میں سے پہلی منکرات سے بچنے اور دوسری اور تیسری عقاید کے صحیح ہونے سے تعلق رکھتی ہیں مگر آخری اس لحاظ سے بڑی کڑی شرط

---

٦٠ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝٥٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٥٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝٥٩ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝٦٠ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝٦١

٦١ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا سے مراد ہر طرح کی بندگی ہے خواہ وہ نماز ہو، روزہ، خیر خیرات [الذی یصلی و یصوم و یتصدق وھو یخاف اللہ عزوجلّ] مزید توضیح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم، سورۃ المومنون حاشیہ ۵۴

ہے کہ انتہادرجہ کی اللہ کے ساتھ قلبی وذہنی وابستگی وہ بھی ہر شائبہ ریا سے پاک درکار ہے اور پھر بیش از بیش عبادات، انفاق فی سبیل اللہ بھی۔ چناں چہ نبی ﷺ سے وابستہ اہلِ ایمان کو اطمینان دلایا جارہا ہے کہ اس آیت سے پریشان نہ ہوں، ہر ایک سے لازماً انتہادرجے کی عبودیت اور تقوے کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ یہ ہر ایک کی استطاعت وعزیمت پر منحصر ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ قرآن ہمیشہ پہلے ایمان کی بات کرتا ہے پھر اعمال کی، ان آیات میں پہلے منکرات سے بچنے کا وصف بیان ہوا پھر عقاید کی دو باتیں آئی ہیں اور پھر چوتھی بھی انسان کی نیک اعمال کرتے وقت قلب وذہن کی کیفیات کے بارے میں ہے، میں یہ گمان کرتا ہوں کہ مومنین سے گفتگو کے وقت بعض اوقات اُن کے اعمال زیادہ اہم ہو جاتے ہیں کہ ان کے ایمان کا اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن ہمارا سابقہ جس قسم کے فاسق وفاجر اہلِ ایمان سے ہے، افسوس اُن کے خیالات اور عقاید میں بھی اتنا فساد آچکا ہے کہ اُن سے حکمت وہمدردی کے ساتھ ہمیشہ افکار ونظریات کی بات اُسی طرح اوّلیت رکھتی ہے جس طرح مکہ میں مخاطبین سے نبی ﷺ نے ملحوظ رکھی۔

> ہم کسی شخص پر اس کی طاقت واستطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، اور ہمارے پاس ریکارڈ بک ہے، جس میں ہر متنفس کا حال درج ہے [اس کی استطاعت اور اعمال کا، مزید اعمال کے پیچھے کار فرمانیتوں کا بھی حال]، اور لوگوں کی ذرا بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ ....[مفہوم آیت ۶۲]

سردارانِ مکہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وارننگ

سردارانِ مکہ جو یہ باور کرا رہے تھے کہ ہماری خوش حالی اللہ کے ہم سے راضی ہونے کی نشانی اور مومنین کی بدحالی اُن پر دیوتاؤں کے غضب کی علامت ہے، اُس پر گفتگو کے درمیان ان اہلِ ایمان کا تذکرہ آگیا تھا جن سے اللہ راضی ہے، اب بات کا رخ دوبارہ مومنین سے پھر کر ان عیاش وبدمعاش سرداروں کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ اس موضوع پر اختتامی بیان ہے۔ اس مقام پر اِن فلسفہ بگھارنے والے مخالفین، صاحبانِ سرمایہ واقتدار کے لیے اللہ تعالیٰ کا لہجہ ایک دم غضب ناک ہو جاتا ہے، نبوت ملنے کے گذشتہ ساڑھے چار، پانچ سالوں میں سورۃ العلق کے بعد [۶۲] یہ دوسرا سخت ترین خطاب

۶۲ آج سے تقریباً ایک سال قبل، جب ابوجہل نے حالتِ سجدہ میں آپ کی گردن پر پاؤں رکھنا چاہا تھا، تو اللہ تبارک و

ہے۔

مگر سوسائٹی کے یہ خوش حال Elite.Class منکرین لوگ اللہ کی رضا اور ناراضگی کے کلّیے سے بے خبر ہیں۔ [اور ظاہر ہے کہ حقیقی فلاح اور دائمی کام یابی کے لیے جن عقاید و اعمال کی ضرورت ہے اُس سے یہ کوسوں دور ہیں] پس چھوڑ دو انھیں ان کے حال پر یہ اپنے کرتُوت دکھاتے چلے جائیں تا کہ ہم اِن عیّاشوں [۶۳] کو عذاب میں پکڑ لیں گے [اسی دنیا میں [۶۴]] پھر وہ ڈکرانا شروع کر دیں گے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہوگا کہ اب بند کرو اپنی آہ و فغاں، ہماری طرف سے اب کوئی معافی تمھیں نہیں ملنی۔ جب میری آیات سُنائی جاتی تھیں تو تم ہمارے رسُول کی آواز سُنتے ہی بگ ٹٹ بھاگ نکلتے تھے [۶۵]، اپنی طاقت، اقتدار اور دولت کے گھمنڈ میں محمد ﷺ کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے، اپنی چوپالوں [۶۶] میں اُس پر باتیں اور بکواس کیا کرتے تھے۔

تعالیٰ نے غصہ فرمایا تھا: كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾۔

۶۳ سید مودودیؒ نے ان حضرات کے لیے عیاش کا لفظ استعمال کیا اور بہت خوب کیا ہے۔ [دیکھیے تفہیم القرآن۔ سورۃ المومنون حاشیہ ۵۹]۔

۶۴ اِن آیات کے اترنے کے ساڑھے چھ برس بعد دنیا نے بدر کے میدان میں دیکھ لیا کہ یہ سارے عیاش ذبح ہوتے ہوئے بھینسوں کی طرح ڈکرار ہے تھے۔

۶۵ اس طرح بھاگ نکلتے جیسے کوئی گھوڑا جس کی باگ ٹوٹ جاے اور وہ مالک سے جان چھڑا کر بھاگ رہا ہو۔ یہ کفار نبی ﷺ سے اظہارِ بے زاری کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگتے ہیں کہ یہ تو وہی پرانے قصے [اساطیر الاولین] سنا رہا ہے۔

۶۶ آج کے دور میں جاہلیہ کے عیاش اپنے جم خانوں، ایوانوں، کلبوں اور دھرنوں میں اسی طرح کی بکواس میں مصروف رہتے ہیں۔ جلد وہ دن آئے گا جب یہ سب اپنے انجام کو پہنچیں گے، گذشتہ پچیس برسوں میں ممالکِ اسلامیہ میں حکم ران عیاشوں نے جو ہڑبونگ مچائی تھی اُن سب کا اسی دنیا میں جو حال اور انجام ہوا سب کے سامنے ہے، اور آخرت منتظر ہے آخری فیصلے کے لیے۔ لہٰذا اعلاے کلمۃ اللہ کے علم برداروں کو قرآنی تعلیم کے مطابق ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر آگے بڑھ جانا چاہیے۔

کیااِن صاحبان سرمایہ واقتدار نے کبھی اِس کلام پر غور کرنے کی زحمت کی[67]؟ کیا محمد ﷺ کوئی ایسی انہونی بات [آخرت اور توحید] کہہ رہے ہیں جو کبھی انھوں نے اپنے اسلاف [ابراہیم، اسمٰعیل، صالح اور شعیبؑ] کے حوالے سے نہ سنی ہو؟ یا یہ کہ ہمارے رسُول [محمد ﷺ] سے کبھی واقف نہ تھے کہ اجنبی آدمی ہونے کی وجہ سے اُس کے سیرت و کردار کی تصدیق نہ کر سکتے ہوں؟ یا یہ کہ انھیں یہ یقین ہے کہ وہ دیوانہ یا مجنُون ہے؟ نہیں، سچی اور اصل بات یہ ہے کہ وہ حق (absolute truth) پیش کر رہا ہے اور حق ہی اس حکم ران خوش حال ٹولے کو اور متبعین عوام کی اکثریت کو ناپسند ہے......... اور حق اگر کہیں اِن اکثریت کے حامل منکرین کی خواہشات کے تابع ہو جائے تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا[68] ....یہ دعوتِ حق اہلِ مکہ کے لیے پریشانی کی بات نہیں، بلکہ ہم تو ان کے حصہ کی یاد دہانی اُن کے پاس لائے ہیں اور وہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں! [مفہوم آیات ۶۳-۷۳]

اللہ کی رضا کے لیے کیے جانے والے کاموں پر دنیا میں اُجرت لینا

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کے نبی اپنی قوم سے دین کے لیے اپنی سرگرمی پر کوئی اجرت طلب نہیں کرتے وہ برملا بار بار دہراتے ہیں کہ لَا أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا اُن کا نعرہ ہی یہ ہوتا ہے کہ: إِنۡ أَجۡرِيَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اہلِ مکہ کے دعوت سے منہ موڑنے پر تبصرہ کر رہے ہیں اور دعوت کے طریقِ کار کے اسی مذکورہ مستقل کلیے سے استدلال کر رہے ہیں کہ اے محمد ﷺ آپ کی قوم آپ سے کیوں کترا رہی ہے؟ کیا آپ ان سے کوئی اجر طلب کر رہے ہیں؟ جو یہ بدک رہے ہیں۔ قرآن کے اس دعوتی کلیے سے یہ ظاہر ہے کہ جب بھی دعوت دین کے ساتھ مدعوئین سے نوٹ اور ووٹ مانگے جاتے ہیں تو لوگوں کا بدکنا ایک فطری امر ہوتا ہے اور دعوت میں وہ بے نیازی باقی نہیں

---

۶۷ قرآن نے یہ سوال کل جس طرح مشرک دشمنانِ رسول اللہ ﷺ، سربراہانِ مکہ کے سامنے رکھا تھا، ہائے افسوس آج یہ قرآن بعینہٖ اُسی طرح اسلامی معاشروں کی حکومتوں پر قابض نام نہاد مسلمان صاحبانِ اقتدار کے سامنے رکھ رہا ہے! ایک مسلمان ملک کی کیبنٹ میٹنگ میں ایک وزیرِ مملکت ۲۹ دسمبر ۲۰۱۱ کو سورۃ اخلاص تک نہ سنا سکے۔

/https://tribune.com.pk/story97614%incorrect/20-filed/-malik-ehmanr-of-
/disqualification-for-petition-recitation

۶۸ اقامتِ دین کے اُن علم برداروں کو جو عوام کی اکثریت کے ووٹوں سے اسلام کو غالب کرنا چاہتے ہیں قرآن کے اس پیغام پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بَلۡ جَآءَهُم بِٱلۡحَقِّ وَأَكۡثَرُهُمۡ لِلۡحَقِّ كَٰرِهُونَ۝

رہتی جو اُس کا لازمی وصف ہے اور خالص دعوتِ توحید اور خوفِ آخرت پر لوگوں کے بدکنے پر انہیں یہ یاد نہیں دلایا جا سکتا کہ ہم تم سے کچھ مانگ نہیں رہے ہیں۔

اے محمد ﷺ یہ لوگ آپ سے کیوں بدک رہے ہیں؟ کیا آپ نے اِن سے کچھ طلب کیا ہے؟ آپکے لیے تو آپ کے رب کا دیا ہی کافی ہے اور وہ بہترین رازق ہے۔ آپ تو ان کو ہدایت کی طرف بُلا رہے ہیں۔ مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ ہدایت قبول کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں۔.. [مفہوم آیات ۷۴]

اگلی آیات میں محمد ﷺ کی نبوت پر منکرین کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر اہلِ مکہ کو سمجھایا گیا ہے کہ یہ قحط جس سے تم دوچار ہوئے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک وارننگ ہے۔ تمھارے لیے اس میں یہ پیغام ہے کہ سنبھل جاؤ اور رسول کے بلائے ہوئے رستے کی جانب آجاؤ۔ وگرنہ سخت تر سزا ملے گی جس کو سہہ نہ سکو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ جس قوم کو دعوت دی جا رہی ہو چھوٹے موٹے عذابوں سے دوچار کرتا ہے کہ شاید سنبھل جائیں۔

اگر ہم اِن پر نرمی کریں اور قحط کو ٹال دیں تو یہ اپنی سرکشی میں اور زیادہ بہک جائیں گے۔ اس قحط میں بھی اِن کا عالم یہ ہے کہ ہم نے انھیں تکلیف سے آزمایا مگر یہ اپنے رب کے آگے نہ جھکے۔ آگاہ رہیں کہ معاملہ اگر یہاں تک پہنچ جائے کہ ہم اِن پر سخت عذاب کا فیصلہ نافذ کر دیں تو پھر تم دیکھو گے کہ اس حالت میں یہ شدید مایوسیوں کی گہرائیوں میں ڈوب جائیں گے۔....... [مفہوم آیات ۷۵-۷۷]

یومِ جزا یقینی ہے

باوجود مسلسل انکار کے اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ پھر رحمت سے ان کو آفاق وانفس کی واضح نشانیوں کی طرف جو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے اور اس کائنات میں ایک ہی معبود کی شہادت دے رہی ہیں متوجہ کرتے ہیں۔

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمھیں سُننے اور دیکھنے کی صلاحیت اور سوچنے کو دل دیے، مگر تم لوگ شکر گزار نہیں ہوتے۔ وہی ہے جس نے انسانوں کو ساری زمین میں بسایا اور پھیلا دیا، اُسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ رات اور دن کی آمد وشد اُسی کی مٹھی میں

ہے، کیا یہ معمولی سی بات تمھاری عقل میں نہیں آتی؟ مگر یہ منکرین وہی پرانی لایعنی باتیں بناتے ہیں جو ان سے پہلے جاہلیت کی ماری قومیں اپنے رسولوں سے کہہ چکی ہیں کہ جب ہم مر مرا کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائے گا تو کیا ہم کو پھر سے زندہ کر دیا جائے گا؟ زمانوں سے ہم اور ہمارے باپ دادا قیامت کے وعدے سنتے چلے آئے ہیں، یہ تو محض پرانے قصے کہانیاں ہیں۔

اے محمد ﷺ اگر کبھی یہ خالی الذہن ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچنے پر آمادہ ہوں تو اِن سے پوچھو، اگر یہ جانتے ہوں کہ یہ زمین اور اس پر ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ بالضرور بول اٹھیں گے کہ اللہ کی۔ کہو، پھر تم عقل کے ناخن کیوں نہیں لیتے؟ اِن سے دریافت کرو، ساتوں آسمان اور عظیم عرش کس کا ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کا۔ کہو، پھر تم اُس ذات سے ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے پوچھو اگر یہ جانتے ہوں کہ کائنات میں ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو تکالیف و مصائب سے امن و عافیت دیتا ہے اور اُس کی دی ہوئی تکلیف و مصیبت سے بچانے والا کوئی نہیں؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ قدرت و اختیار تو صرف اللہ ہی کی شان ہے۔ کہو، پھر کیوں تم فریبِ نفس کا شکار ہوتے ہو؟ جو حقیقت نفس الامری ہے وہ ان کے سامنے آگئی، اور بلاشبہ یہ منکرین اپنی بڑھکیں ہانکنے میں نرے جھوٹے ہیں۔ اللہ کے نہ کوئی اولاد ہے، اور نہ ہی کوئی دوسرا خدا اُس کا ساجھی ہے۔ بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا، اور پھر سارے خدا ایک دوسرے سے الجھ جاتے۔ پاک ہے اللہ اُن شرکیہ باتوں سے جو یہ لوگ اس پر بناتے ہیں۔............................. [مفہوم آیات ۷۸-۹۲]

اے محمد ﷺ دعا کیجیے کہ اگر اہلِ مکہ پر عذاب آئے تو اللہ آپ کو بچا لے

یہ بھی اللہ کی سنت ہے کہ جب چھوٹے موٹے عذابوں سے قوم عبرت نہیں پکڑتی تو اُسے ایک نیست و نابود کر دینے والے عذاب سے سابقہ پیش آتا ہے اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ رسول اور اُس کے متبعین کو بچا لیتا ہے، نبی ﷺ اپنی قوم کی بے اعتنائی دیکھ کر اہلِ مکہ پر عذاب کا خوف محسوس کرتے ہیں، اس موقع پر خود اللہ تعالیٰ آپؐ کو دعا کرنا سکھاتے ہیں، یہ نہیں کہ عذاب کو ٹال دے بلکہ یہ کہ اگر ایسا موقع آجائے اور وہ عذاب اللہ لے آئے جو ٹالے نہیں ٹلتا تو اے اللہ مجھے اِن ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیے گا قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٤﴾۔

اے محمد ﷺ اس طرح دعا کیجیے کہ اے میرے پروردگار، میرے ذریعے جس عذاب کی اِن کو دھمکی دی جارہی ہے وہ اگر میری موجودگی میں تُو لے آئے، تو اے میرے رب، مجھے اِن ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تمھاری آنکھوں کے سامنے ہی وہ چیز لے آنے کی پُوری قدرت رکھتے ہیں جس کی دھمکی ہم اِنھیں دے رہے ہیں۔[مفہوم آیات ۹۳-۹۵]

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ مخالفین کی بُرائیوں کو شائستہ طور رفع دَفع کرو

سورۃ اپنے اختتام کی جانب بڑھ رہی ہے اور اہلِ ایمان کو ہدایت کی جارہی ہے کہ یہ منکرین تمھارے ساتھ کیسا ہی خراب و نازیبا رویہ اختیار کریں، تم اچھے اور احسن طریقوں سے ان کے اعتراضات کا جواب دینا۔ شیطان کبھی تم کو مشتعل کر کے گالی کا جواب گالی سے دینے پر آمادہ نہ کر پائے۔

اے محمدؐ، ان مخالفین کی اوچھی باتوں اور بُرے رَوّیوں کا جواب مناسب ترین شائستہ طریقے سے دو۔ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَۃَ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾ یہ جو کچھ بھی باتیں تم پر بناتے ہیں، تم پرواہ نہ کرو اُن پر بازپرس کے لیے تمام باتوں سے ہم خُوب واقف ہیں۔ اور دعا کرو کہ پروردگار، میں شیاطین اور نفس کی اشتعال انگیزیوں سے تیری عافیت میں رہنا چاہتا ہوں کہ نفس تو زیادہ زوردار جواب دینے پر اکساتا ہے۔ میرے پروردگار! میں تو اِس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ بدخو میرے منہ لگیں۔ ..

[مفہوم آیات ۹۶-۹۸]

شرک سے بچنے کی تلقین کے ساتھ سورۃ کا اختتام

مکی دور کی اس پہلی طویل سورۃ کا اختتام اس طرح ہوتا ہے کہ مکہ کے مترفین [وسائل اور اقتدار پر قابض مخالفینِ حق] کو قیامت کے حساب سے ڈرایا گیا ہے اور انھیں وارننگ دی گئی ہے کہ جو کچھ تم محمد ﷺ اور اُس کے ماننے والوں کے ساتھ مخالفت اور استہزا کا رویہ اختیار کر رہے ہو اس کی بابت تم سے بازپرس ہو گی اور سخت عذاب کا سامنا ہو گا۔

یہ ائمۃ الکفر اور ان کے فریب میں مبتلا اہالیانِ شہر اپنی بے ہودہ باتوں اور حرکتوں سے باز نہ آئیں

گے یہاں تک کہ جب اِن میں سے کسی کے سامنے موت آجائے گی [غیب شہود ہو گا اور موت کے فرشتے نظر آنے لگیں گے] تو وہ چلانا شروع کر دے گا کہ اے میرے رب، مجھے اسی دنیا میں مزید مہلتِ زندگی دیجیے، جہاں سے مجھ کو واپس لیا جارہا ہے کہ اب میں ضرور اچھا رویہ اپناؤں گا اور نیک اعمال کروں گا......... ہر گز نہیں، یہ تو بس ایک لاچارگی کی بات ہے جو عالمِ جاں کنی میں وہ بک رہا ہے۔ اب یومِ قیامت تک کے لیے ان سب مرنے والوں کو ایک برزخ Buffer Zone میں رہنا ہے پھر جیسے ہی قیامت کا صُور پھونکا جائے گا، اِن کے درمیان پھر کوئی رشتہ اور دوستی نہ رہے گی اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ وہاں جن لوگوں کے نیک اعمال کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی اپنی زندگانی کی سعی وجہد میں کامران ٹھہریں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ ناکام ونامراد جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ آتشِ دوزخ اُن کے چہروں کی کھال جلا ڈالے گی اور اُن کے جبڑے باہر نکل آئیں گے......... ان سے سوال کیا جائے گا کیا تم وہی لوگ نہیں ہو کہ جب قرآن تمھیں سُنایا جاتا تھا تو تم اُسے جھٹلاتے تھے؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے مالک نحوست اور بدبختی ہم پر مسلط تھی۔ ہم واقعی گم راہ تھے۔ اے پروردگار، اِس بار تو ہمیں یہاں سے نکال دے اگر پھر ہم دوبارہ ایسا قصور کریں تو ظالم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دُور ہو جاؤ میرے سامنے سے اور پڑے رہو اِسی عذاب میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ تم وہی لوگ تو ہو نا کہ جب میرے کچھ فرماں بردار بندے کہتے تھے کہ اے ہمارے مولا، ہم ایمان لائے، ہمیں معاف فرما، رحم کر، تُو سب رحیموں سے بڑھ کر رحیم ہے، تو تم اُن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اُن کی ضد میں تم نے مجھ تک کو بھُلا دیا کہ میں بھی کوئی ہوں، اور تم اُن پر ہنستے رہے۔ آج میں نے مومنین کو اُن کے اُس صبر کا پھل یہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ٹھہرے ہیں۔ پھر اللہ اُن سے پوچھے گا بتاؤ، زمین پر تم کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے صرف ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ ہم نے وہاں گزارا، اپنے شُمار کرنے والے آڈیٹر فرشتوں سے پوچھ لیجیے۔ اِرشاد ہو گا دنیا کی زندگانی تھوڑی ہی دیر تھی نا!

.... کاش تم نے یہ بات اُس وقت جانی ہوتی اور ہمیشگی کی زندگی کو ترجیح دی ہوتی۔ تم نے تو یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمھیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم کبھی واپس پلٹ کر نہیں آؤ گے؟

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿١١٦﴾ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١١٨﴾

پس بزرگ وبرتر ہے اللہ کی ذات، پادشاہِ حقیقی، کوئی دوسرا خدا اُس کے سوا نہیں، وہ مالک ہے عرشِ بریں کا۔ پس جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو دعا، مدد یا مشکل کشائی کے لیے پکارے گا، [جس پکار کے لیے اُس کے پاس نہ کسی کے پاس کوئی دلیل ہے] تو اُس شرک کی حماقت کا حساب اُس کا رب ہی یومِ قیامت چکائے گا۔ ایسے مشرک کافر کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ اے محمدؐ کہیے میرے رب در گزر فرما، اور رحم کر، اور تُو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے۔ .... [مفہوم آیات ۹۶-۱۱۸]

☆☆☆☆☆

خطِ جبیں ترا اُمّ الکتاب کی تفسیر
کہاں سے لاؤں ترا مثل اور تری نظیر
دکھاؤں پیکرِ الفاظ میں تری تصویر
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے